

# زیب النساء اور مورخین کی افسانہ طرازی

صوفی عبدالرشید

اگر تاریخ کے کسی دور کی عظمت کا معیار مختلف تہذیبی اور ثقافتی مظاہر بھی ہیں، تو اس اعتبار سے مغلیہ عہد کا طرز پر برصغیر کی تاریخ کا شاندار دور کہلانے کا مستحق ہے۔ وسعت طبعی میں مغلوں کے جاہ و جلال کا سکہ جہاں پر سے برصغیر میں چلتا رہا، وہاں علوم و فنون کی ترقی بھی اس عہد کا طرہ امتیاز رہی۔ بابر ہی خاندان کے تاجداروں نے معارف پروری اور علم دوستی کی وہ مثال قائم کی کہ دود دراز سے علماء و فضلاء کہنے ہوئے ان کے درباروں میں چلے آئے۔ اس کا ایک سبب جسے اکثر مورخین نے بیان کیا ہے یہ تھا کہ مغلوں نے ارباب علم و فن کی تربیت میں غزالیوں کے منہ کھول دیئے تھے۔ لیکن اس ضمن میں یہ حقیقت بھی نظر انداز نہیں کی جاسکتی کہ اس خاندان کے اکثر فرمانروا خود دولت علم سے بہرہ مند تھے۔ یہی وجہ تھی کہ آشنا سخن آشنا نگہ دار کے مصداق ان کے دربار علماء اور اہل فن کے لئے بے پایاں کشش کا باعث بن گئے تھے۔ حکمرانی اور کشور ستانی کی مشغولیتوں کے پہلے بہلوان شہنشاہوں نے علم و ادب اور تصنیف و تالیف کے میدان میں بھی اپنی عظمت کے جھنڈے گاڑ دیئے۔ بابر نے صرف اپنی خود نوشت میں حقیقت نگاری، انشاپردازی اور اسلوب کی دلآویزی کے جوہر دکھاتا ہے بلکہ ترکی شاعری میں بھی مؤلف تاریخ رشیدی کے بقول امیر علی شیر نوائی کے بعد دوسری بڑی اہم شخصیت قرار پاتا ہے۔ جہانگیر کی ترک زبان کی سادگی و سلاست اور بیان کی خوبی و لطافت کا بہترین نمونہ سمجھی جاتی ہے۔ عالمگیر کے رقعات برصغیر کے فارسی ادب میں ایک منفرد مقام کے حامل ہیں۔ ہمایوں کی زندگی کا بیشتر حصہ در بدری میں بسر ہوا اس لئے وہ باپ کی طرح (سوائے خلیان کے) کوئی تصنیفی کارنامہ انجام نہ دے سکا لیکن اس کی علم دوستی کا اس سے بڑا ثبوت اور کیا ہو سکتا ہے کہ اس کی موت کتب خانے کی سیڑھیوں سے گر کر واقع ہوئی۔ اکبر اگرچہ اوائل عمر میں نامساعد حالات کے باعث رسمی تعلیم سے

بہرہ اندوز نہ ہو سکا لیکن اس کی شاہدہ فیاضیوں کے لطیف میں اگر ایک طرف برصغیر کی فضائیں تیسرا زواہن ہماں کے جانفزا  
 نغموں سے گونج رہی تھیں تو دوسری جانب یہاں کے دروہام علم کے نور سے جگمگا رہے تھے۔ شاہجہان کا ذوقِ بھال تاج  
 محل ہی کی تعمیر کا باعث نہیں بنا، قدسی اور کلیم کی زمزمہ سنجیوں کو بھی زندہ جاوید کر گیا۔ اس کی علم برداری کا اندازہ کرنا  
 ہر تو علامہ سعد اللہ خاں کے مقام سے کیجئے یا اس کی جھلک محمد صالح کنبہ اور محمد لاہوری کے ہاں دیکھیے۔

اس خاندان کے خیزادوں میں داراشکوہ کی تعابیف سے کون صرف نظر کر سکتا ہے؟ سفینۃ الاولیاء اور  
 "سکینۃ الاولیاء" کے ساتھ ساتھ اس کا دیوان بھی بڑی قدر و قیمت رکھتا ہے جس میں قدم قدم پر اس نے شاعرانہ فکر و  
 خیال کے گلستان سجائے ہیں اور وحلۃ الوجود کے پردے میں وحدت حیات کے رموز سمجھائے ہیں۔ خواتین میں بابہ  
 کی بیٹی گلبدن بیگم کا تعنیفی شاہکار چھاپوں نامہ "سیدے سادے" لیکن دل نشین اسلوب میں اس عہد کی تہذیبی اور  
 معاشرتی زندگی کے بہت سے گوشوں کی نقاب کشائی کرتا ہے۔

مغلوں کی سرپرستی میں فارسی شعروادب نے ایک نئی آن اور انوکھی شان پیدا کی۔ مضمون کی نزاکتیں، جذبے  
 کی رعنائیاں، فکر کی عظمتیں اور اسلوب کی رنگینیاں برصغیر کی فارسی شاعری کو وہ رنگ و آہنگ عطا کرتی ہیں کہ  
 ایران کی زمزمہ سنجیوں کے مقابلے میں اس کی انفرادی حیثیت کو ہم آسانی کے ساتھ جان اور پہچان سکتے ہیں۔ اس دور  
 میں جبکہ ایران میں شاعری کا بازار قریب قریب سرد ہو چکا تھا، برصغیر میں فارسی شاعری کی حیات نو کے سامان فرام  
 ہو رہے تھے۔ بادشاہوں اور امراؤ کے دربار تو شعرا کا مرجع تھے ہی لیکن حرم سرا میں اور خلوت گاہیں بھی شعر کے سحر  
 سے خالی نہ تھیں۔ ناخاندہ کینزی اور فادائیں ملک رومرو کی معمولی بات چیت میں مصرعے کے مصرعے موزوں کرتی  
 چلی جاتی تھیں۔ فیضی، عرفی، نظیری، طالب، کلیم، صائب اور سلیم کی مہار آفرینیاں اور دل سوزیاں اسی ماحول  
 میں پنپ سکیں۔ ظہوری، قدسی، غنی، ناصر علی، بیدل، غنیمت کنجاہی اور منیر لاہوری کی نکتہ سنجیاں بھی اسی فضا کی  
 رہیں منت ایما۔

مغلوں کے عہد میں فارسی شعروادب نے ارتقا کے جو مراحل طے کئے، یہ اسی کا نتیجہ ہے کہ آج بھی اس خطہ زمین کے اطراف و  
 اکناف میں فارسی زبان وادب سے دل بستگی کے آثار پڑے صاف، اجلے اور روشن نظر آتے ہیں۔ یہاں تک کہ خود اردو  
 شعروادب کی روایات میں فارسی ادب کے اثرات سے صرف نظر کسی صورت میں ہی ممکن نہیں کہ اس زبان کی پوروش و

پرداخت بھی حافظ، سعدی، رومی، فغانی، عرفی، نظیری اور مائب کے انکار کے سائے میں ہوئی۔

ادبی ماحول کی یہی شادابی و شگفتگی تھی جس میں اورنگ زیب کی چہیتی بیٹی زیب النساء نے تعلیم و تربیت کی منزلیں طے کیں۔ اورنگ زیب اپنے مذہبی دھماکانے کے باعث شاعرانہ مدح سرائی کو اچھا نہیں سمجھتا تھا۔ اور اسی سبب سے اس نے اپنے عہد میں ملک الشعرائی کا منصب ختم کر دیا تھا۔ لیکن وہ نفس شاعری کا ہرگز مخالف نہ تھا۔ تاریخ میں ایسے کئی شواہد ملتے ہیں کہ اس نے نہ صرف اچھے شعر پڑھنے والی کا اظہار کیا بلکہ کبھی کبھی خود بھی شعر گوئی کی طرف مائل ہوا۔ رقععات میں وہ مرقعہ بمرقعہ اساتذہ ایران کے اشعار نقل کرتا چلا جاتا ہے۔ مثنوی مولانا روم کا ایک انتخاب بھی اس سے منسوب ہے۔ دتالغ نگار یہ بھی بتاتے ہیں کہ اس نے ایک بیاض رکھی ہوئی تھی جس میں وہ فارسی شعرا کے پسندیدہ اشعار درج کیا کرتا تھا۔ بہر طور اگر اس کے عہد میں اکبر، جہانگیر اور شاہجہان کی طرح شعرا کی پذیرائی نہ ہو سکی، تو اس سے ہرگز یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ خود بھی ذوق سخن سے عاری تھی یا نفس شاعری کو مٹا دینے کے درپے تھا۔ اگر فی الواقع ایسا ہوتا تو ناممکن تھا کہ زیب النساء کے شاعرانہ جوہر اس قدر کھل کر نمایاں ہونے پاتے۔ تاریخ بتاتی ہے کہ خنزادی کے ذوق سخن کی آبیاری میں خود اورنگ زیب کی تشریح کو بڑا دخل تھا۔

زیب النساء بیگم ۱۰۷۸، ۱۰۷۹ھ کو دل ریس بیگم کے بطن سے پیدا ہوئی۔ اس کی ماں شاہنواز خان صفوی کی بیٹی تھی جو جہانگیر اور شاہجہان کے دور حکومت میں معزز عہدوں پر فائز رہی۔ زیب النساء ذرا بڑی ہوئی تو شاہی دستور کے مطابق اس کی تعلیم و تربیت کا اہتمام ہوا۔ عالمگیری امر اور میں عنایت اللہ خان ایک بڑے منصب کا مالک تھا اس کی والدہ حافظہ مریم ایک تعلیم یافتہ خاتون تھی۔ زیب النساء کی تعلیم کے لئے عالمگیری نظر انتخاب اس پر پڑی۔ شہزادی نے اس معزز خاتون کے زیر تربیت مختصر سی مدت میں نوشت و خواند کے علاوہ قرآن مجید بھی حفظ کر لیا۔ جس کے صلے میں عالمگیر نے تیس ہزار اشرفیاں بطور انعام عطا کیں<sup>(۱۴)</sup>۔ شہزادی نے تعلیم و تربیت کی بقیہ منازل بڑی خوش اسلوبی سے طے کیں اور علوم عربی و فارسی میں مہارت تامہ مہم پہنچائی۔ علم و ادب سے اس کے ذوق و شغف نے یہ صورت پیدا کر لی کہ اس عہد کے جید علماء و فضلا اس کی سرکار سے وابستہ رہنے لگے۔ اس کی کچھ تفصیل ساقی مستعد خان سے سنئے۔

”شاہزادی ہر پرورد و علم شناس تھیں اور ہمیشہ کتابوں کے جمع کرنے اور نیر جدید تصنیف و تالیف کو ہماری رکھنے میں کوشاں رہتی تھیں۔ شاہزادی کا کتب خانہ ہر حیثیت سے نادر و الوجود تھا۔ علماء و فضلا اور خوشنویسوں کا ایک

گروہ اس کی سکر سے فیض یاب ہوا کرتا تھا۔ چنانچہ ملا صفی الدین اردبیلی نے شاہزادی کے حکم سے تفسیر کبیرہ کا فارسی زبان میں ترجمہ کیا جو زریب النفا سیر کے نام سے شہور ہے۔ اس کتاب کے علاوہ اور دیگر رسائل بھی تقدی مآب کے نام نامی سے معنون ہوئے۔<sup>(۸۵)</sup> علامہ شبلی اس سلسلے میں رقمطراز ہیں۔

”تمام تاریخیں اور تذکرے متفق اللفظ ہیں کہ زریب النساء نے عربی اور فارسی کی تعلیم نہایت اعلیٰ درجہ کی حاصل کی تھی اور بڑے بڑے علماء و فضلا اس کی خدمت میں رہتے تھے۔“<sup>(۸۶)</sup>

شہزادی کے علم و فضل کا تذکرہ کرتے ہوئے آیت اللہ زادہ یزدی حاج سید محمد رضا طباطبائی بزم ایران میں لکھتے ہیں۔

”زریب النساء دختر عالمگیر بادشاہ ہندوستان است و در ہندوستان کمتر زنی مانند او دارای کمالات و فضل و دانشہای گوناگون است۔“<sup>(۸۷)</sup>

حکیم فصیح الدین رنج میرٹھی کی رائے بھی سن لیجئے۔

عصمت میں لاثانی، ذہن میں یادگار خاتانی، فصاحت میں سبحان زمان، صنائع بدائع میں مشتائے جہان۔<sup>(۸۸)</sup>  
شہزادی کی علمی لگن کا یہ عالم تھا کہ جہاں کہیں وہ سن پاتی تھی کہ کسی مصنف نے کوئی عمدہ کتاب تصنیف کی ہے فوراً اسے اپنی سرکار میں طلب کر کے کتاب اپنے کتب خانے کے لئے حاصل کر لیتی تھی۔ اس ضمن میں نادر العصر استاد احمد معمار لاجوردی کے پوتے اور لطف اللہ مہندس کے بیٹے ملا امام الدین ریاضی کی یہ تحریر ملاحظہ فرمائیے۔

”اما بعد جنین گوید فقر عباد اللہ الغنی امام الدین الریاضی بن لطف اللہ المہندس اللہ محوری ثم الصلوی کہ در خلال ازمنہ تحصیل و آذونہ اکمال و تکمیل قواعد چند کہ اساس علم البیان رفیع البیان است تحریر نمود۔ و لیکن بسبب اشغال بعض امور مامورہ نقل آن از مسودہ بمبیسفہ مقفزی ای وقت نمی نمود۔ ثانی الحال بچون سن الف و ما کتہ سبع ہجری مطالبی سن ہی جلوس امیر کبیر، بسیار بخش، کم پذیر، اور رنگ زریب بہادر عالمگیر، ایں معنی بعض جناب عالیہاں مآب، بادشاہزادہ، ذوالقدر الرفیع، فیاض جہانیاں، ملکہ دوران، حافظہ قرآن، قرۃ العین خلیفۃ الرحمن، قاب تدریۃ القاب، زریب النساء بیگم، سلمہا اللہ تعالیٰ و البقی ظلال رافتھا علی العالمین، خصوصاً رسید۔ حکم جہاں مطاع عالم مطیع شرف حدود و معرودہ بخشید کہ آن را مرتب و مہذب سازد تا بشرف مطالعہ لامع طبع مشرق باشرافات

ازار الہی مشرف شود، فان وقع فی حیز القبول فهو المنتہی المقصود و اقصی المأمول۔ لہذا سمعاً و طاعتاً بائیناں  
 ایں حکم پر داختہ، مہذب و مدقن ساختہ، بہ "بیانیہ" موسوم نمود؛

شہزادی علوم متداولہ کے علاوہ فن خطاطی میں بھی دسترس رکھتی تھی۔ چنانچہ ساقی مستعد خان کے بقول نسخ  
 نستعلیق اور شکستہ بڑی خوبی کے ساتھ تحریر کرتی تھی۔

زیب النساء کے اساتذہ میں ملا سعید اشرف ماژندرانی کا نام خاص طور سے نمایاں ہے۔ وہ عالمگیر کے آغاز  
 جلوس میں ایران سے برصغیر آئے۔ بادشاہ نے انہیں زیب النساء کی تعلیم کا فریضہ تفویض کیا۔ اس وقت شہزادی کی عمر  
 اکیس برس کی تھی۔ ملا اشرف شاعر بھی تھے۔ زیب النساء میں شعر گوئی کا ملکہ فطری تھا، ملا اشرف کی تربیت نے  
 اسے اور بھی نکھار دیا اور شہزادی باقاعدہ طور پر شعر کہنے لگی۔ نظم و نثر میں وہ ملا صاحب ہی سے اصلاح لیتی تھی  
 تعلیم و تعلم کا یہ سلسلہ تیرہ چودہ برس تک جاری رہا تا آنکہ ملا صاحب کو وطن اور عزیزان وطن کی یاد ستانے لگی۔  
 انہوں نے شہزادی کی خدمت میں ایک درخواست تصدیق کی صورت میں پیش کی جس میں وطن کو مراجعت کی خواہش  
 کا یوں اظہار کیا۔

یک بار از وطن نتوان برگرفت دل در غزتم اگرچہ فنون است اعتبار

پیش تو قرب و بعد تفاوت نمی کند گو خدمت حضور نباشد مرا شمار

نسبت چو باطنی است چو دہلی چہ اصفہان دل پیش تست من چہ بہ کابل چہ قندھار

استاد کین سال کی یہ درخواست شہزادی کے حضور میں پذیرا ہوئی اور وہ گرفتار ملے اور انعام کے ساتھ خانم  
 وطن ہوئے۔

شہزادی نے ساری عمر ناکھنڈائی میں بسر کی۔ موصوفین نے اس کے مختلف اسباب بتائے ہیں جن میں تضاد ہے۔ اس

لئے کسی ایک رائے کو حتمی اور قطعی قرار نہیں دیا جاسکتا۔ جیسی ڈانکن ویسٹ بھوک

Brook نے دیوان آف زیب النساء کے تعارف میں لکھا ہے کہ شہزادی کی نسبت خود شاہجہان نے اس کے عمراؤ

اور داراشکوہ کے بیٹے سلیمان شکوہ سے ٹھہرائی تھی۔ لیکن دارا سے دشمنی کے باعث اور جنگ زیب شادی پر رضامند

نہ تھا۔ چنانچہ اس نے سلیمان شکوہ کو زہر دلوادیا۔ اسے انگریز ذہن کی اختراع کہنا چاہیے کہ معاہدہ تاجپہن اس باب میں سکوت اختیار کئے ہوئے ہیں۔ اسی محترم خاقون نے ایرانی شہزادے مرزا فرخ کا واقعہ بھی بیان کیا ہے بزرگوار سے ملاقات کے لئے خود اسی کی دعوت پر دہلی آیا۔ یہ واقعہ بھی ان سنی سنائی روایات پر مبنی ہے جنہیں جیسی ڈکن ویسٹ بروک نے ”دیوان آف زیب النساء“ کے ابتدائے میں اکٹھا کر دیا ہے اور جو بہر حال ثبوت کی محتاج ہیں۔

ڈاکٹر سدارنگانی اس ضمن میں لکھتے ہیں۔

”برنی برآئند کہ چوں شاہزادہ خانم بیار زیرک و از استعداد فطری و عالی سخن سرائی بہرہ مند بود اسلٰ حاضر ہوا شخصی را برای ہمہ سری قبول کند کہ در استعداد ذہنی ہمپایہ اش نباشد۔ بنا بر این عمر خود را تحصیل علم و تہذیب و معاشرت با دانشمندان و سخن گوئیان گذرانید“

علامہ شبلی نے اس کی کیفیت یوں بیان کی ہے۔

”زیب النساء نے شادی نہیں کی، عام طور پر مشہور ہے کہ سلاطین تیموریہ لڑکیوں کی شادی نہیں کرتے تھے۔ اس غلط روایت کو یورپین مصنفوں نے بہت شہرت دی ہے اور اس سے ان کو شاہی بیگمات کی بدنامی پھیلانے میں بہت مدد ملی ہے۔ لیکن یہ قصہ ہی سرے سے بے بنیاد ہے۔ خود عالمگیری دو بیٹیاں زبدۃ النساء بیگم اور مہر النساء بیگم سپہر شکوہ اور ایزد بخش (پسر شہزادہ مراد) سے بیاہی گئیں۔ چنانچہ آثار عالمگیری میں دونوں شادیوں کی تاریخیں اور مختصر حالات لکھے ہیں اور خاتمہ کتاب میں بھی اس کا ذکر کیا ہے“

اس بارہ خاص میں لوگ کچھ بھی کہیں، اس کا اصل سبب شہزادی کا علمی انہماک اور مقنوناہ مزاج ہے۔ شہزادی کی عصمت و عفت اور پاکدامنی و نیک نفسی پر تمام معاہدہ تاجپہن اور تذکرے گواہ ہیں۔ اور نگویب کو حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے صاحبزادے حضرت خواجہ محمد معصومؒ سے خاص نسبت ارادت تھی۔ چنانچہ وہ ان سے بیعت بھی تھا۔ متعدد شہزادے اور امراء بھی سر ہندی بزرگوں سے عقیدت رکھتے تھے۔ زیب النساء کو بھی اس خاندان سے روحانی وابستگی تھی۔ حضرت خواجہ محمد معصومؒ کے فرزند حضرت محمد نقی شہزادے کے متعدد مکتوبات اس کے نام پائے جاتے ہیں۔ جن میں انہوں نے اسے بادشاہ زادہ پردہ نشین سراوقات عصمت و عفت و

عظمت ابہت اور فاطمہ زہرا کے انقباب سے یاد کیا ہے۔ یہ شاہی دباؤ نہیں، امر واقعہ ہے، وگرنہ تاریخ شاہد ہے کہ خاندان سرہند کے بزرگ کسی شاہانہ جاہ و جلال کے سامنے نہیں جھکے۔ اس تحریر کے مقابلے میں وہ بے سرو و پاب روایات

کوئی حقیقت نہیں رکھتیں، جن میں زیب النساء اور عاقل خان کے معاشرے کی تفصیلات بڑے مزے لے لے کر بیان ہوئی ہیں اور جن میں ناصر علی سرہندی کو بھی شہزادی کے عشاق کی فہرست میں شامل کر لیا گیا ہے۔ لیکن ان تمام روایات پر تنقید کرنے والوں نے دانستہ یا نادانستہ اس امر کو فراموش کر دیا کہ وہ اورنگ زیب کی بیٹی تھی جس کی سخت گیری تاریخ میں ضرب المثل کی حیثیت اختیار کر گئی ہے۔ یہ روایات بذات خود ایک دوسرے کی نفی کر رہی ہیں۔ مثال کے طور پر عاقل خان کے دیگ میں جلانے جانے کا واقعہ سنئے جسے جیسی ڈکن ویسٹ بودک نے بڑے شد و مد سے بیان کیا ہے۔

عاقل خان خفیہ طور پر زیب النساء سے ملنے دہلی آیا۔ باغ میں دونوں کی ملاقات ہوئی۔ اورنگ زیب کو پہچلا تو وہ فوراً وہاں پہنچا۔ مشکل یہ تھی کہ عاقل خان کو کہاں چھپایا جائے۔ بالآخر وہیں قریب پڑوسی ہوئی دیگ میں وہ چھپ گیا۔ بادشاہ کے دریافت کرنے پر شہزادی نے بتایا کہ دیگ میں گرم کرنے کو بانی رکھا ہوا ہے جس پر بادشاہ نے حکم دیا کہ دیگ چولہے پر چڑھا دی جائے۔ حکم کی تعمیل ہوئی۔ زیب النساء کو اپنے عاشق سے زیادہ اپنا آبرو کا خیال تھا۔ چنانچہ وہ دیگ کے قریب آئی اور سرگوشی میں کہا کہ اگر تم میرے عاشق صادق ہو تو لب بستہ رہو۔ دیکھنا میری عزت و آبرو پر حرف نہ آنے پائے<sup>۱۱۴</sup> بیچارہ عاقل خان اس کی عزت کی خاطر دیگ میں جل جہنم گیا۔

اسی سے ملتا جلتا واقعہ ڈاکٹر برنیئر کی زبانی سنئے۔ وہ شاہجہان کی بیٹی جہاں آرا بیگم کے معاشرے کا ذکر کرتے ہوئے

لکھتا ہے۔

”کہتے ہیں کہ بیگم صاحبہ اگرچہ محل سرا میں حسب معمول محصور رہتی تھی اور محل کی اور مستودات کی طرح اس کی نگہبانی بھی ہوتی تھی۔ مگر مخفی طور سے اس کے پاس ایک زوجان شخص کی آمد و رفت ہو گئی جو اگرچہ کوئی خاندانی آدمی نہ تھا مگر حسین بہت تھا۔ لیکن ظاہر ہے اس بات کا سہیلیوں اور محافظوں سے مخفی رہنا ممکن نہ تھا۔ اور جب کہ عورتیں بیگم صاحبہ کے رشک و حسد سے پہلے ہی جل رہی تھیں تو محل کی اکثر خواتین پر اس جہید کا کھلنا لازمی تھا۔ الغرض شاہجہان بھی بیگم صاحبہ کی خطا و لغزش سے واقف ہو گیا اور حقیقت حال معلوم کرنے کے خیال سے ناگہان محل میں چلا گیا۔

چونکہ بادشاہ کے آنے کی خبر بگم صاحب کو جلدی نہ مل سکی کہ وہ اس شخص کو کسی مناسب جگہ چھپا دیتی اس لئے مجبوراً اسے اپنے خوف زدہ جوان عاشق کو حمام کی ایک بڑی دیگ میں چھپانا پڑا۔ اس واردات پر بادشاہ کے چہرے سے تو کچھ تعجب ہی کے آثار نظر ہوئے اور نہ کچھ غصہ اور ناشومی ہی معلوم ہوئی بلکہ بیٹی سے معمولی باتیں کرتا رہا۔ لیکن کسی قدر بات چیت کے بعد کہا کہ معلوم ہوتا ہے تم نے آج سب معمول غسل نہیں کیا۔ حمام کرنا چہیئے اور خواجہ سراؤں کو حکم دیا کہ دیگ کے نیچے آگ جلائیں اور جب تک کہ انہوں نے اسے یہ یقین نہ دلا دیا کہ وہ قسمت کا مارا مل کر خاک ہو گیا ہے وہاں سے نہ ہلا۔<sup>(۱۵)</sup>

سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس واقعے کو کس سے منسوب کیا جائے، بھوجی سے یا جتیبی سے؟ آیا یہ اورنگ زیب کے عہد کا واقعہ ہے یا شاہجہان کے دور کا؟ داستان سرا فی بزمی نے بھی کہا ہے اور میسی نے بھی۔ مگر حقیقت کہاں تلاش کی جائے؟ آثار الامرا اور آثار عالمگیری وغیر میں اس دور کے امرا میں صرف ایک عاقل خان کا ذکر ہوا ہے جو اورنگ زیب کا شہزادگی کے زمانے سے مصاحب تھا۔ جس کا اصل نام میر عسکری تھا اور جو سادات نواف (خواسان) سے نسبی تعلق رکھتا تھا۔ عالمگیری نے اس کے سن کار کردگی سے خوش ہو کر اسے عاقل خان کا خطاب دیا تھا۔ وہ شیخ برہان الدین راز الہی کا مرید تھا اور اسی نسبت سے رازی تخلص کرتا تھا۔ فارسی نثر اور نظم میں متعدد تعصیفات یادگار چھڑیں جن میں واقعات عالمگیری (نثر) اور دو مشنویاں مہر و ماہ اور شمع و پروانہ بڑی شہرت رکھتی ہیں۔ غزلوں کا ایک دیوان بھی مرتب کیا۔ تذکروں میں اس کے اشعار اکثر مل جاتے ہیں۔ اس کا ایک شعر بہت مشہور ہے زین آبادی اور اورنگ زیب کے تعلقات کا ذکر کرتے ہوئے مولانا ابوالکلام آزاد نے غبارِ خاطر میں بھی نقل کیا ہے۔

عشق چہ آسان نمود آہ چہ دشوار بود  
بہر چہ دشوار بود یار چہ آسان گرفت

۱۰۹۱ء میں اسے دلی کی صوبیداری تفویض ہوئی۔ آخر عمر میں بادشاہ کے حضور میں ترک منصب کی درخواست

گنہاری سے منظور کر لیا گیا۔ خود اورنگ زیب کی تحریروں میں اس کا ذکر ان الفاظ میں ہوا ہے۔

”جواب عرضی عاقل خان مورہ وارد ہئی کے درباب ترک منصب نوشتہ صادر شدہ۔ حقوق خدمت ہای سابق

مرا نظر داشتہ ہر گاہ گوشہ خاطر خود را کہ معدن لطف و مخزن عنایت است، بآن فدوی بردہ ہاشم۔ کلام گوشہ بہ

ازیں خدمت خواہند یافت۔ باوجود ایں عنایت و لطف بے اندازہ اگر بر ترک و گوشہ نشینی راضی اند، التماس آن  
قدیم الخدومت قبول خواہم کرد و دوازده ہزار روپیہ سالیانہ مقرر خواہد شد۔<sup>(۱۶)</sup>

اس اقتباس سے ظاہر ہے کہ عالمگیر کی نگاہوں میں عاقل خان کس قدر و منزلت کا مالک تھا؟ عاقل خان  
نے ۱۱۰۷ء میں دہلی میں وفات پائی۔ تمام معاصرین نے اس کے اخلاق و خصائل کی تعریف کی ہے۔ صاحب مآثر الامراء  
کے بقول وہ نہایت مخیر اور کریم الصفات تھا۔<sup>(۱۷)</sup> ساقی مستعد خان نے اس کی وفات کے ذیل میں لکھا ہے کہ وہ صاحب  
خیر و توفیق نیز پسندیدہ خصائل کا مجموعہ تھا۔<sup>(۱۸)</sup>

اگر جیسی ڈکن ویسٹ بدمک کی مراد اسی عاقل خان سے ہے تو زیب النساء سے اس کا معاشرہ تھیں انانہ  
طرازی ہے۔ اور اس کے دیگ میں جلانے جانے کا واقعہ تاریخ کا ایک بہت بڑا جھوٹ ہے۔ جسے سچا ثابت  
کرنے کی کوئی جس کوشش باآ اور نہیں ہو سکتی۔ اسی سلسلے میں جیسی کے بیان کے ہوتے دوسرے واقعات پر بھی  
ایک نظر ڈالئے۔

لاہور میں عاقل خان اور زیب النساء ایک دوسرے سے ملتے رہے۔ تاآنکہ اورنگ زیب کو اس کی اطلاع  
ہو گئی۔ وہ اس وقت دہلی میں تھا۔ یہ سنتے ہی لاہور پہنچا۔ وہ جلد جلد اس کی شادی کر کے معاطہ رنج و فح کرنا چاہتا  
تھا۔ زیب النساء نے انتخاب کی اجازت چاہی اور اس مقصد کے لئے مختلف لوگوں کی تعداد منگوائی گئیں۔ اسی  
نے عاقل خان کے حق میں رائے کا اظہار کر دیا۔ اورنگ زیب نے اسے بلاوا بھیجا۔ لیکن عاقل خان کے رقیبوں میں  
سے کسی دل چلے اور بالوں شخص نے اسے لکھا کہ بادشاہ کی بیٹی کا عاشق ہونا کوئی بچوں کا کھیل نہیں۔ اورنگ زیب  
تہارے کرتوتوں سے واقف ہے۔ جو تہی تم دہلی پہنچو گے تمہیں یہ محبت بڑی مہنگی پڑے گی۔ عاقل خان نے سوچا کہ  
بادشاہ انتقام لینے کا منصوبہ بنا رہا ہے۔ مگر انہوں نے زیب النساء کا عاشق بزدل ثابت ہوا۔ اس نے شادی  
سے انکار کر دیا اور ملازمت سے مستعفی ہو گیا۔ یہ سن کر زیب النساء بڑی بالوں ہوئی اور اس کے سینے میں عاقل  
خان کے خلاف نفرت کی آگ بجڑک اٹھی۔ اسی عالم میں اس نے کہا۔

شہیدم ترک خدمت کرد عاقل خان بہ نادانی

عاقل خان نے اس کے جواب میں کہا۔

چسپا کارے کند عاقل کہ باز آید پشیمانی

لیکن وہ خفیہ طور پر دہلی آیا تاکہ زیب النساء سے ملاقات کر سکے اور پھر دیگ میں جلنے کا واقعہ ظہور میں آیا۔

اب سلسلہ واقعات پر نظر ڈالئے۔

(۱) عاقل خان آخر عمر میں ملازمت سے مستعفی ضرور ہوا تھا لیکن وہ اس وقت دہلی کا صوبے دار تھا لاہور

کا نہیں۔

(۲) وہ طبعی موت مرا تھا، دیگ میں جل کر نہیں۔

(۳) عالمگیر اس کی اس حد تک تندر و منزلت کرتا تھا کہ ملازمت سے سبکدوش ہونے کے بعد بھی بادشاہ کی طرف سے

اسے بارہ ہزار روپے سالانہ پنشن ملتی رہی۔

(۴) موت کے وقت وہ انتہائی بوڑھا ہو چکا تھا اور عمر کی اس منزل پر تھا جہاں صرف یاد خدا ہی انسان کا سب سے

بڑا سہارا ہو سکتی ہے۔

(۵) مولفین کا متفقہ فیصلہ ہے کہ اس کی وفات ۱۱۰۰ھ میں ہوئی۔ زیب النساء کی ولادت کا سال ۱۰۴۸ء ہے۔

اس اعتبار سے عاقل خان کی وفات کے وقت اس کی عمر اٹھ برس ہوتی ہے۔ اگر عاقل خان دیگ میں جلایا گیا ہے تو وہ

واقعہ ۱۱۰۰ء کا ہو سکتا ہے۔ کیا اٹھ برس کی عمر میں شہزادی شادی کا تصور کر سکتی ہے اور اس طرح جس طرح میسٹرنے بیان

کیا ہے؟

(۶) تاریخوں سے معلوم ہوتا ہے کہ عاقل خان شہزادگی کے زمانے سے عالمگیر کا مصاحب تھا۔ اس اعتبار سے

وہ قریب قریب بادشاہ کا ہم عمر تھا۔ زیب النساء کے ساتھ اس کے معاشرے کا خیال کسی ناسد ذہن ہی میں آسکتا

اب ذرا وہ واقعات بھی دیکھتے جائیے جو بعض دوسرے لکھنے والوں نے اپنی تحریروں میں دھرائے ہیں اور جن

کے درجہ استناد پر خود انہیں بھی شک ہے۔ زمانہ <sup>۱۱۹۱</sup>مختور کے فاضل مولفین نے مختلف تذکروں سے ایسے واقعات نقل

کئے ہیں اور شاید انہی کی پیروی میں ڈاکٹر سدازنگانی نے بھی اپنے مقالے میں انہیں جگہ دینا ضروری سمجھا ہے۔ لیکن

اس کے ساتھ یہ رائے بھی ظاہر کی ہے۔

”یکصد داستان و قصہ دربارہ مخفی وجود دارد کہ اغلب آن صاحبان و موثق بنظر نمی آید از جمله اسانہ ما کہ پیرامون معاشرۃ وی با عاقل خان رازی مشہور است“<sup>(۲۰)</sup>

جناب حسنین کاظمی نے بھی اپنے فارسی مقالہ میں ان واقعات کی تفصیل بتاتے ہوئے لکھا ہے۔

”اینگونه داستان های پویج مهمل و دور از حق و حقیقت ساخته و پرداخته دشمنان آن خانوادہ می باشد کہ می خواستند رازی راہ انتقام خود را گرفتہ باشند“<sup>(۲۱)</sup>۔

ان قصوں سے عاقل خان کے کردار پر بھی حرف آ رہا ہے۔ مثلاً عاقل خان نے زین النساء سے اشعار کی صورت میں اپنی دلی خواہش کا یوں اظہار کیا ہے۔

بلبل رویت شوم گر در چمن بنیم ترا      می شوم پرواز گر در انجمن بنیم ترا  
تو دنیائی جی کنی لے شمع محفل خوب نیست      من بھی خواہم کہ در یک پر چمن بنیم ترا  
اس کے جواب میں شہزادی نے اسے لکھ بھیجا۔

بلبل از گل گذر در چمن بیند مرا      بت پرستی کی کند گر بر چمن بیند مرا  
در سخن مخفی شدم مانند بلبل در بگ گل      ہر کہ دارد میل دیدن در سخن بیند مرا

لطف یہ کہ یہ واقعہ شہزادہ فرخ سے بھی منسوب ہے اور جیسی نے راز و نیاز کی اس خیالی داستان کا ایک ہیرو مشہور شاعر ناصر علی سرہندی کو بھی بنا دیا ہے۔ عجیب تہیہ کہ زین النساء سے منسوب یہ دو شعر قطعات و رباعیات کے ذیل میں دیوان مخفی میں بھی آگئے ہیں۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ یہ شعر نہ زین النساء کے ہیں نہ مخفی کے۔ ان کا مصنف شاہجہانی عہد کا معروف طیب اور شاعر حکیم مازق تھا جو مشہور اکبری نورتین حکیم حمام کا بیٹا تھا۔ پہلا شعر منشی محمد رفیع نے ”مزار الشعراء“ میں نقل کیا ہے۔ ان کے ہاں شعر نمبر کی یہ صورت ہے۔

بلبل از گل گذر در چمن بیند مرا      بت پرستی کے کند گر بر چمن بیند مرا<sup>(۲۲)</sup>

دوسرا شعر محمد صالح کنوہ نے اپنی شہرہ آفاق تاریخ محل صالح میں حکیم مازق کا تذکرہ کرتے ہوئے اس کے انتخاب کلام کے ذیل میں درج کیا ہے۔ ”علی صالح“ میں یہ شعریوں آیا ہے۔

در سخن پہاں شدم مانند بود در برگ گل میل دیدن ہر کہ دارد در سخن بیند مرا<sup>(۲۴)</sup>

ان شواہد کی روشنی میں وہ بہت سے واقعات جو ان دو شعروں کے حوالے سے "زیب النساء" کی "داستانِ عشق" کو اجاگر کرنے کے لئے مختلف لوگوں نے بیان (یا اختراع) کئے ہیں، قطعاً بے حقیقت ثابت ہوتے ہیں۔ انہی میں معلوم شد کہ زن است والا انشاء بھی شامل ہے۔ مزے کی بات یہ ہے یہاں وہ احتیاط بھی ملحوظ نہیں رکھی گئی جس کا پرانے وقتوں میں ارباب ذوق ہمیشہ خیال کیا کرتے تھے یعنی مختلف اصنافِ سخن کا باہمی امتیاز۔ یہ دو شعر غزل کے ہیں مگر انہیں دیوانِ معنی<sup>(۲۵)</sup> میں رباعیات و قطعات کے ذیل میں درج کیا گیا ہے۔ "زیب النساء" پر لکھنے والوں نے بھی انہیں رباعی قرار دیا ہے۔ حالانکہ یہ رباعی کے مخصوص وزن میں تو کیا سرے سے بحر ہزج میں بھی نہیں۔

۵۔ جو چاہے آپ کا حسن کہ شہر ساز کرے

اسی طرح قاتلِ خان کی طرف سے بھیجا ہوا معما

آں چیز کرامت ..... اور زیب النساء کا جواب

آں چیز حماں است ..... کوئی اصیلت نہیں رکھتا۔ جو شخص مغلوں کے دور کے آداب کا شعورِ طاہریتِ علم بھی رکھتا ہے اس کی نظروں میں اس طرح کے واقعات محض جھوٹے کا پلندہ ہیں۔

اسی نوع کا ایک واقعہ یہ بھی ہے کہ ایک بار زیب النساء نے ناصر علی سرہندی کو ایک مصرع لکھو بھیجا کہ اس پر گرہ لگائے۔ ناصر علی نے اس پر گرہ لگائی جس میں ابتذال تھا۔ زیب النساء سن کر سخت برہم ہوئی اور جواب میں شعر کہا۔

ناصر علی بنام علی بروہ اہی پناہ ورنہ یہ ذوالفقار علی سرورِ یدِ مرمت

اس کی حقیقت یوں بھی کھل جاتی ہے کہ یار لوگوں نے یہ واقعہ کلیم کاشی ملک الشعراء نے شاہجہانی سے بھی منسوب کیا ہے اور "زمانِ سخنور" کے مولفین نے اس پر یہ حاشیہ بھی چڑھایا ہے کہ یہی واقعہ کلیم کاشی کے برصغیر سے نکل جانے کا سبب بن گیا۔

ناطقہ سرگرہ جہاں ہے اسے کیا کہیئے ؟

بات صرف اتنی ہے کہ زیب النساء ہلاکی ذہین، نکتہ سنج اور مدبر بہ گوتمی۔ اس کی انہی طبعی خصوصیات کو لے کر لوگ افسانے پر افسانے تراشتے چلے گئے۔ قصے کی دلچسپی تو اس سے ضرور بڑھی مگر تاریخِ مسخ ہو گئی۔ ردِ مغربی ذہن تو اس

نے اکثر اہم قصوں کو تاریخ کارنگ دے کر پیش کیا ہے، کہ استعماری عزائم کی تکمیل کا ایک ذریعہ یہ تھا ہے۔

زیب النساء کو آخر میں قید و بند کی صعوبتیں سہنا پڑیں۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ شہزادہ اکبر جسے راجپوتانے کی ہم پیمیا گیا تھا بعض لوگوں کے بہکاوے میں آکر باغی ہو گیا۔ زیب النساء اور اکبر ایک ہی ماں کے بطن سے تھے اور دونوں بہن بھائیوں میں بڑی محبت تھی۔ باوجود بغاوت کے اکبر اور زیب النساء میں مراسلت جاری رہی جیسا کہ ساقی مستعد خان نے لکھا ہے۔ شہزادہ اکبر کے نام زیب النساء کے خطوط بکڑے گئے جس کے نتیجے میں اس پر عقاب شاہی نازل ہوا۔ مال و اسباب کے علاوہ چار لاکھ روپے سالانہ کا وظیفہ بھی بند ہو گیا۔ اور شہزادی کو قلعہ سلیم طرہ میں قید کر دیا گیا۔ لیکن جلد ہی اس کی بے گناہی ثابت ہو گئی اور عفو قصور کر دیا گیا۔<sup>(۱۶)</sup> مغل رول ان انڈیا کے مصنفین میں۔ ایم ایڈورڈز (S.M. Edwardes) اور ایچ۔ ایل۔ او۔ گیرٹ (H.L.O. Garettee) کا یہ خیال درست نہیں کہ صرف موت ہی اس قید سے اس کی نجات کا باعث بنی۔<sup>(۱۷)</sup> واقعہ اپریل ۱۰۹۱ھ میں پیش آیا جب کہ ۱۰۹۳ھ میں زیب النساء بادشاہ کی ملاقات کے لئے دکن میں حاضر ہوئی۔ شہزادہ محمد کام بخش، سیادت خان اور کامگار خان نے شہزادی کا استقبال کیا۔<sup>(۱۸)</sup>

زیب النساء کا انتقال ۱۱۱۳ھ (مطابق ۲۶ جولائی عالمگیری) میں دہلی میں ہوا۔ اور نگ زیب اس وقت دکن میں تھا۔ یہ خبر جب اس تک پہنچی تو بقول ساقی مستعد خان دختر ننگ انحرک کی دائمی مفارقت کے صدمے سے طلب مہارک پر اندوہ و الم کے بادل چھا گئے اور آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہوئے۔ لیکن حضرت نے صبر فرمایا اور سید ماجد خان، شیخ عطاء اللہ اور حافظ خان کے نام خیرات و صدقات جاری کرنے اور مرحومہ کا روضہ تعمیر کرانے کے احکام جاری فرمائے۔ ملکہ مرحومہ صاحبہ الزمانی کے باغ سی ہزاری میں پونہ خاک کی گئیں۔<sup>(۱۹)</sup>

جیسی ڈکن ویسٹ بروک نے دیوان آف زیب النساء کے تعارف میں لکھا ہے کہ شہزادی کی وفات ۱۶۸۹ء میں واقع ہوئی اور وہ اپنی ہی وصیت کے مطابق لاہور کے قریب نواں کوٹ میں مدفون ہوئی۔ اسے بھی ان چند در چند اغلاط میں تصور کیجئے جو اس باب میں جیسی سے سرزد ہوئیں۔ صاحب آثار عالمگیری کا بیان آپ کی نظر سے گزرنے کا اس نے شہزادی کا انتقال ۱۱۱۳ھ میں بتایا ہے جو سن عیسوی کے اعتبار سے ۱۷۰۳ء سے مطابقت رکھتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ شہزادی کا انتقال دہلی میں ہوا اور اسے وہیں باغ سی ہزاری میں سپرد خاک کیا گیا۔ لیکن جیسی اسے نواں کوٹ میں مدفون بتاتی ہے۔

برطانوی دور اقتدار میں زیب النساء کا مقبرہ گرا دیا گیا اور وہاں سے راجپوتانے کو بریلے لائبریری گزاری گئی۔<sup>(۳۲)</sup>

## زیب النساء اور دیوان محضی

اب رہا یہ مسئلہ کہ زیب النساء نے شعر و سخن کے میدان میں کیا کارنامے انجام دیئے۔ اس میں کسی کو کلام نہیں کہ وہ شاعرہ تھی لیکن اس کا تخلص کیا تھا نیز جو مجموعہ دیوان محضی کے نام سے متداول و مروج ہے آیا وہ اسی کا ہے؟ اس سلسلے میں تحقیق و تفتیش نے بہت سے عقدرے واکر دیئے ہیں۔ معاصر تاریخوں میں زیب النساء کے علمی معمولات اور ادبی مشاغل پر بھی تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔ لیکن کہیں بھی اس امر کا سراغ نہیں ملتا کہ وہ محضی تخلص کرتی تھی۔ بعد کے تذکرہ نگاروں نے اس کے نام کے ساتھ محضی کا اضافہ کر دیا اور یار لوگ اسے لے لڑے اور اتنی شہرت دی کہ اس کے نام کے ساتھ اس تخلص کا لکھنا گویا لازمی ہو گیا۔ یہاں علامہ شبلی کی رائے ملاحظہ فرمائیے:

”عام طور پر مشہور ہے کہ وہ محضی تخلص کرتی تھی اور دیوان محضی جو چھپ کر شائع ہو چکا ہے، اسی کا ہے۔ لیکن یہ صحیح نہیں، کسی تاریخ یا تذکرہ میں اس کے تخلص یا دیوان کا تذکرہ نہیں“<sup>(۳۳)</sup>

یہ تو محضی تخلص کی بات، رہا دیوان تو اس کے بارے میں علامہ شبلی کے مذکورہ بالا بیان کے ساتھ درج ذیل اقتباس بھی قابل غور ہے۔

”اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ وہ شاعرہ تھی لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اس کا کلام ضائع ہو گیا۔“<sup>(۳۴)</sup>

احمد علی سندھوی نے اپنے مشہور تذکرے ”خون الغرائب“ میں زیب النساء کے ضمن میں لکھا ہے۔

”اما دیوان اشعارش نظر نیامده، مگر وہ تذکرہ امتحانیش بہ نظر آردہ لیکن اعتبار را نشاید۔ بسبب آنکہ اکثر شعر اساتذہ صاحب آن تذکرہ نام بیگم زوشته بود۔“<sup>(۳۵)</sup>

جو دیوان اس کے نام سے شائع اور رائج ہوتا رہا ہے، اس کی حقیقت سید صاحب الدین عبدالرحمن کی زبان

سے سنیے:

”زیب النساء کے عشق و محبت کی طرح اس کا دیوان بھی محض افسانہ بن کر رہ گیا ہے۔ زیب النساء کا ایک مجموعہ

کلام دیوان محضی کے نام سے مختلف مطالب سے چھپ کر بازار میں فروخت ہوتا رہا ہے، مگر اباب نظر ان متداول

سختوں پر اپنے خیالات ظاہر کر کے بتا چکے ہیں کہ دیوان کی اندرونی شہادت کی بنا پر اس کو کسی طرح زبیب النساء کا دیوان نہیں کہا جاسکتا ہے۔ پروفیسر محفوظ الحق (ریڈیو ٹیلیسی کالج کلکتہ) نے معارف نبرہ جلد چہارم میں یہ بتایا ہے کہ دیوان

مخفی دراصل مخفی رشتی کا دیوان ہے جس کا وطن باصطرح تھا۔ وہ شاہجہان کے عہد میں خراسان سے ہندوستان جلب منفعت کے لئے آیا۔ مگر یہاں کی ہوا اس میں آئی اور دشمنوں کی ریشہ دوانیوں سے قید کر دیا گیا۔ چونکہ شاہی دربار میں اس کی رسائی نہ ہو سکی اس لئے اس کا کلام اوروں کی طرح مشہور نہ ہو سکا اور ایک حد تک مخفی مگر محفوظ رہا۔ اس کا دیوان بعض غیر محقق معنفوں کے ہاتھ لگا اور اسے دیکھے اور سمجھے بغیر مخفی کی معایت کی بنا پر پیغم کی جانب منسوب کر دیا۔ (۱۳۹۱)

پروفیسر محفوظ الحق کا مقالہ مجھے نہیں ملا۔ البتہ دیوان مخفی کے مطالعے کے بعد میں کچھ ایسے داخلی شواہد مہم پہنچا سکا ہوں جن کی بنا پر موجودہ دیوان کو تمام زبیب النساء کی تصنیف نہیں قرار دیا جاسکتا۔ ایک آدھ غزل یا قلمہ ضرور ایسا ہے جس کے بارے میں تیاں آرائی کی گنجائش ہے۔ لیکن باقی ماندہ کلام خراسانی شاعر مخفی رشتی ہی کا ہے۔ تصانیف میں تو کھل کر اس نے اپنے خراسانی ہمنے کا اظہار کیا ہے۔ غزلیات بھی ایسے اشارات سے خالی نہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ بصریغریب الوطن تھا اور یہاں اس نے بڑے رنج اٹھائے۔ مخالفین کی ریشہ دوانیوں اور قید و بند کے مصائب کا ذکر وہ اکثر کرتا ہے اور چونکہ وہ اس خیال سے بصریغریب آیا تھا کہ یہاں اس کے کمال فن کی قدر ہوگی اس لئے جب نتائج برعکس نکلے تو اسے سخت مایوسی ہوئی۔ قدسی اور کلیم کے ساتھ تو اسے دربار میں کیا جگہ ملتی اُلٹا بقول خود "جرم بیگناہی" میں قید کر دیا گیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کی بقیہ زندگی نہایت بے سروسامانی اور احتیاج و افلاس میں بسر ہوئی۔

یوں تو اس کی ہر غزل اس کے احوال کی شاہد عادل ہے لیکن ذیل کے اشعار میں صورت حال قدر سے زیادہ واضح ہے۔

شب ز آحم خسروں انجم ہمہ بر باد رفت	ہرچہ بد در خاطر گردوں ہمہ از یاد رفت
رنگ ظلمت بس گرفت آئینہ عدل جہاں	روشنی در رنگ ظلمت از دل فولاد رفت
می کشد آخر فلک از ہر کہ باشد اتقام	دید خسرو عاقبت زان آنچہ بفر باد رفت

از گل این بوستان چشم وفاداری مدار  
 کاذریں گلشن بسی بر بلبلان بیداد رفت  
 رفت مخفی گردستم نیم نانی باک نیست  
 چون بہشت جاودانی از کف شداد رفت

بسکہ الفت گرہ را با چشم خونبار من است  
 باد وجود آنگو آنارم ز سر تا پا ہنوز  
 نیست در بازار راحت گرم یک جو قیمت  
 فقہ ہر جا بر آرد سر ز غوش فلک  
 مخفی از ہنر خود بینی و خود رای مکن  
 کین پریشانی من بر من ز ہنر من است  
 ریختن بر خاک رہ خون جگر کار من است  
 گردش گردون دہوں در نکر آزار من است  
 شکر اللہ نعمت عالم خریدار من است  
 جستجویم دارد و در فکر آزار من است  
 اہل نظر اندازہ کر سکتے ہیں کہ مخفی کا سوز نہاں کیونکہ اس کے بچے میں جھلک رہا ہے۔ اس کے شکوہ ہند کے چند  
 نمونے بھی ملاحظہ فرمائیے۔ پیرایہ غزل کا ہے۔

نادان اگر بودی در ملک ہند مخفی  
 اجزای عمر خود را شیرازہ گم نمی کرد

آفسری بر جگم باد کہ در کشور ہند  
 سکہ نقد سخن راجع ایران زدہ ام

جتو بے حاصل است مخفی بر این گرداب ہند  
 گو ہر مقصود را جہای دیگر گم کردہ ام

دیدہ ام ظلم و ستم چند آنکہ از ظلمات ہند  
 میروم کہ بہر خود جہای دیگر پیدا کنم

غنچہ طبعم نمی نمشد و بشورستان ہند  
 ہمہی یاران کہ از گلزار کابل بشکنند

وانشد چوں غنچہ دل در بہارستان ہند رفت مرغ روح غنچی گوشہ کلابی گرفت  
 آخری دو شعروں کے مصرعوں حای ثانی پر تحقیقی نظر شاید غنچی کی زندگی کے کسی اور غنچی گوشے سے پروردہ  
 جہاد سے کہیں کہیں غربت کا احساس بڑی شدت کے ساتھ اس کے ہاں اظہار ہوتا ہے۔

مغنیاً چند بدل حسرت دیدار وطن عشقِ ب است کہ در خاکِ نایبِ وطن است

بریدم از وطن الفت بغربت زان گرفتارم  
 کہ تنہائیِ غربت با خیالت آشنا باشد

بنام کامی بغربت رو نہادم تا چہ پیش آید  
 عنانِ دل بدست ہجرادم تا چہ پیش آید

مغنی ایسیدِ رحمانی تا بروزِ حشر نیست  
 خاکِ غربت ہر کرا در مہمدم دامگیر شد

ز ناسازیِ بختِ آخر نہادم رویِ دُغربتِ دل پر دردِ ہجرانِ یادگاری از وطن بردم  
 وہ اپنی داستانِ غربت سناتے ہوئے حضرت یوسفؑ اور حضرت یعقوبؑ کے قصے سے متعلق تلمیحات کا بھی اکثر ذخیرہ  
 استعمال کرتا ہے۔ دیدہ یعقوبؑ، بولنے پیرمن اور باد صبا سے وابستہ جملہ واقعات اسے اپنے حال کے مناسب و مطابق  
 نظر آتے ہیں۔ اس سے اس کا مقصود بھی ظاہر کرنا ہے کہ بے وطن ہو کر وہ روح فرسا معائب و آلام سے دوچار ہوا۔  
 عزیزانِ وطن اور غمخیزانِ وقار کی یاد اس کے دل سے ایک لحظہ بھی محو نہیں ہوئی۔ چند شعر دیکھئے۔

تمام عمر بکنعافم از جبرائی رفت ز سوئی مصر نسیم صبا منی آید

بوی یوسف کرد بینا دیدہ یعقوبؑ را در زبا بادِ صبا چشم کسی بینا ز شد

مخدم یعقوب ہجران و نیامد بڑھی پیرامن  
پسر رانیست آں مہری کردہ خاطر پیر دارد

مغنیاً چند زہور فلک شعبدہ باز  
ہجو یعقوبؑ بدل داغ پسر تازہ کنم

جوگ شد یوسفؑ عسب تو مغنی  
وطن در گوشہ بیت المخذن کن

پیر کنعانم اگر یہ چشم ترگم کردہ ایم  
دشمنی چشم از بہر یسرگم کردہ ایم  
اس انتخاب کے تیسرے، چوتھے اور چھٹے شعر سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ وہ صاحب اولاد تھا اور بیٹے  
کی جدائی کا غم اس کے لئے مسلمان روح بنا ہوا تھا۔ اس نوع کے اشعار کو زیب النساء سے نسبت دینا کتنی مضحکہ خیز  
صورت حال کا موجب ہو سکتا ہے جبکہ وہ عمر بھر ناکتھذاری۔ یہاں حضرت یعقوبؑ کی تلمیح سے بالعموم او آخری  
شعر سے بالخصوص یہ نتیجہ بھی اخذ کیا جاسکتا ہے کہ وہ بینائی کے سے بھی محروم ہو گیا تھا۔ درج ذیل اشعار سے بھی اس کا  
کچھ کچھ ثبوت فراہم ہوتا ہے۔

رفتی پریش دیدہ و من بیخسب ہنوز  
دارم خیال روی ترا در نظر ہنوز

با آنکہ چشم من ز تنہا سفید شد  
دارم دو دیدہ برہ باد سحر ہنوز

نقود روشنی دیدہ صرف دل کردم  
ہنوز بر سرم آن بی و قافی آید

بعض غزلوں میں خراسان کا ذکر کمال کر لیا ہے۔ یاد وطن کے تاثر میں ڈوبی ہوئی ایک غزل دیکھیے۔

باز امروز ولم سوی خراسان رفت است  
رشتہ کفر بیداست و بہ ایمان رفت است

نالہ بردرد ولم محرم و بیگاہ کنند  
گر گویم کہ چہ بیداد ز ہجران رفت است

رشکستان دارم گشت مرا و امن و حیب  
بسکون جگر از دیدہ برامان رفت است

نور بیداد کند چشم تنہا ز نسیم  
بوی پیرامن یوسف سوی کنعان رفت است

برجغای کہ من کرد فلک مخفی نیست جاک باقی ست مرا گزہ گریبان رخت است  
 مندوشان اور خراسان کی رعایت سے مطلع کے دوسرے مصرعے میں کفر و ایمان کے ذکر اور مقلعہ میں تخلص  
 کے استعمال کی داد دی جاسکتی ہے۔

ایک مقام پر اپنی زبانوں عالی کا ذکر کرتے ہوئے وہ شاہ خراسان یعنی حضرت امام زادہ علی رضا سے یوں استمداد  
 کتاب ہے۔

چہ کنم بختِ ذبون چسرخ جفا پیشہ من از ضعیفی نتوانم رہ عقبی گیرم  
 آبرو ریختہ ام بس ز مذلت بر خاک خواہ آتش شوم و در ہمد اعضا گیرم  
 پیش ازین نیست مرا طاق دوری ز درت ہمتی دہ کہ براہت سر سودا گیرم  
 از گدایان تو ام شاہ خراسان مدد سے کہ چو مرغان حسد در حرمت جاگیرم  
 نیست مخفی چو مرا قدرت گفتار بہبر پابلمان کشم و دامن مولا گیرم

یہ تو مٹی غزل کی بات جس کے اشارے اتنے عمومی بھی نہیں ہوتے کہ ان سے شاعر اور اس کے ماحول کے بارے  
 میں کچھ بھی اخذ نہ کیا جاسکے۔ اب آئیے مخفی کے قصائد اور دیگر اصناف پر بھی ایک نظر ڈالتے ہیں۔

ایک قصیدے سے مخفی کے ہمد کا تعین ہوتا ہے۔ یہ ماحبقران ثانی شاہچران کا دور تھا کہ وہ برصغیر آیا۔ یہ  
 اشعار اس کی نشاندہی کر رہے ہیں۔

بر در سلطانِ مصرِ حریف ندادم نگہ تا کہ رساند بعض مقصد ارکان او  
 ثانی ماحبقران بادشہ انس و ایمان آنگہ فلک سر نہد بر خط فرمان او  
 بر رہ اقلیم او حادثہ را راہ نیست لطف خداوند آن ہست نگہ بان او  
 قوت بازوی ظلم رفتہ ہلک عدم یافتہ عمرا بد عدل بدوران او  
 نہرہ شیر فلک آب شود در ہراس تیز کند گر نگہ جانب ایوان او  
 فتح ز اقبال آن بر سر ہر کس رود پیکر نصرت زند دست ہدایان او

لیکن بہر حال اسے دربار شاہی میں رسائی حاصل نہ ہو سکی۔ شاید بعض ارکان دولت اس کے

راتے میں مائل تھے۔ اور اس کے بعد قید بند کا سلسلہ شروع ہوا۔ اپنے مصائب کے تذکرے کے ساتھ ایک قصیدے میں وہ شاہجہانی امیر خان دوران سے یوں مخاطب ہوتا ہے۔

سپہر منزلتان صاحبانِ داد اور شکوہ دولت فیروز خان دورانی  
 ندوی لطف بتقیبہ من قلم درکش کہ با تو ہست مرا نسبت خراسانی  
 زید و عدۃ عدلی تو دار دم زندہ و گرنہ نیست مرا قدرت سخندانی  
 کہ با تو ہست مرا نسبت خراسانی یہ مصرعہ مخفی کی اصلیت کو براہِ نگندہ نقاب کر رہا ہے۔  
 اسی طرح ایک قصیدے کا یہ شعر بھی اقتدار کے لائق ہے۔

وجودی وجود من بمن ہمارہ درجنگ است کہ مشت استخوانش را برم سوی خراسانش  
 ایک مقام پر تو اس نے یہ وضاحت بھی کر دی ہے۔

تو از ملک خراسانی با صطرخ از وطن داری بخواب شب اگر در دو غم ہندوستان بینی  
 گویا وہ خراسان کے شہر با صطرخ کا رہنے والا تھا۔ چلتے چلتے ذیل کے انتخاب پر بھی خود کرتے جائے۔  
 دل آشفتنہ مخفی بقن خود را سطور است بہند انتادہ است اما خراسان است یزانش  
 درین کشور ز لاینبہای طالع ناقصم دارد و گرنہ در ہنرمندی نباشد بیچ نقمانش  
 ایک ترکیب بند کے یہ شعر بھی لائقِ توجہ ہیں۔

بوسلی روزگارم از خراسان آمدہ انہا اغراض در درگاہ سلطان آمدہ  
 بسکہ در یاد وطن نادیدہ ماتم داشتم تا بدامان دلم چاک گریبان آمدہ  
 حیرتی دارم کہ یارب چون در پی ظلمات ہند طوطی فکر پی شکر ز رضوان آمدہ  
 اس گفتگو کا ماحصل یہ ہے کہ

(۹) دیوان مخفی زیب النساء کی تصنیف نہیں۔

(۱۰) یہ مخفی خراسانی کا دیوان ہے، جو اپنے خالق کی طرح بے اعتنائی کا شکار رہا۔ مدتوں زمانے کی نگاہوں سے

مغنی رخنے کے بعد اسے لوگوں میں پذیرائی حاصل بھی ہوئی تو کسی اور نام کی نسبت سے۔

(ج) مغنی باصطرح کارہنہ والا تھا۔ اور ایران کے دوسرے شعرا کی طرح قدر دانی کے خیال سے برصغیر آیا تھا۔

(د) دربار میں اسے رسائی حاصل نہ ہو سکی۔

(و) وہ یہاں طرح طرح کے مصائب و آلام جھیلتا رہا۔ حتیٰ کہ قید و بند کی صعوبتیں بھی برداشت کیں۔

(س) وہ باوجودیکہ تادراں الکلام شاعر تھا لیکن اس کے جوہر لوگوں کی نگاہوں سے مخفی ہی رہے۔

دیوان مغنی کے سلسلے میں بات قدر سے طویل ہو گئی ہے لیکن میں اسے بوجہ ضروری سمجھتا ہوں اس لئے کہ جیسی ڈیکن ویسٹ بروک نے مگن لال کے اشتراک سے جن پچاس غزلوں کا انگریزی میں ترجمہ کیا ہے وہ اسی مجموعے کی ہیں۔ گویا وہ بنیاد ہی سرے سے غلط ہے جس پر جیسی نے اپنے مفروضات کی عمارت اٹھائی ہے۔ اور شرمیں ایسا مقدمہ توڑے کیلئے جس میں تاریخی حقائق مغنی نام کو ہیں اور سنی سائلی باتیں زیادہ ہیں۔ مشرقی علوم و آداب کے بارے میں مغرب کی تحقیقی نظر کا ایک کرشمہ یہ بھی ہے اور اس میں جو مخصوص مقاصد پنہاں ہیں وہ ارباب نظر سے پوشیدہ نہیں۔ اس میں کسی حد تک ہم خود بھی تصور دار ہیں کہ بلا تحقیق ہر کس و ناکس کے بیان کو درست تسلیم کر لیتے ہیں۔ اس دیوان کے جتنے بھی مطبوعہ نسخے میری نظر سے گزرے ہیں ان میں سوائے نو کٹھور کے ایک نسخے کے باقی سب کے سب زیب النسا سے منسوب کئے گئے ہیں۔ مطبع مجیدی کانپور کی طرف سے شائع ہونے والے دیوان مغنی کے اختتامیے میں ہے۔

”اما بعد برصغیر فیان بازار معانی و جوہر بان بازار سخنانی پوشیدہ مبارکہ درین ایام نجمتہ آغاز ہمایوں انجام کلام پندہ  
عالم از ناب زب النسا بیگم معروف بہ دیوان مغنی کہ در وصفش زبان قلم گنگ و پای ارادت گنگ است  
حسب فرمائش جناب حاجی محمد سعید صاحب تاجرت کتب کلکتہ فلامی ٹولہ نمبر (۵۵) در مطبع مجیدی پشکاپہ کانپور  
باہتمام راجی رب رشید محمد عبدالجید بمابہ ذیقعد ۱۳۳۰ھ بمطابق ماہ اکتوبر ۱۹۱۲ء بلباس طبع آرائش یافتہ آؤیزہ  
گوش روزگار گردید۔“ (۲۸)

کانپور میں طبع ہونے والے نسخوں کا بھی یہی عالم ہے۔ اس کے برعکس نو کٹھوری نسخے کے سرورق پر یہ عبارت

”درین ایام ہر ایوان انجام کلام نصححت النیام سر یا مملو از شوقی یعنی دیوان غزل کی از تیز دستی نهاد سخن  
سر آمد شعرائی نامی اہل زبان رشتی است۔“ (۳۹)۵

اور دیوان کی اندرونی شہادتیں تو کثوری نسخے پر درج شدہ عبارت کی تائید کر رہی ہیں۔ اس میں غلط بحث کی  
صورت اس وقت پیدا ہوتی ہے جب اسی دیوان میں ہم یہ غزل دیکھتے ہیں۔

گرچہ من بیکل ہا ہم دل بچو مجنون در ہواست      سر بوعوامی زخم لیکن حیا زنجیر باست  
بلبل از شاگردیم شدہ جمنشین گل بیباغ      در محبت کاظم پروانہ ہم شاگرد باست  
در نہاں خویم ظاہر گرچہ رنگ نازکم      رنگ من درین نہاں چون رنگ سرخ اندھا است  
بسکہ بار غم برون از اختم بدروزگار      جہاں نئی کرد انک بزن کہ پشت او دواست  
دوختہ شاہم ولیکن رونق آردہ ام      زیب و زینت بس سیم نم نام من زیب الناس (۴۰)

یہی غزل باوقی تفسیر مطبع مجیدی کے نسخے میں بھی شامل ہے۔

شاید اسی غزل کی بنیاد پر اس دیوان کو زیب النساء کا دیوان سمجھ لیا گیا۔ مطبع مجیدی اور دیگر مطابع کے نسخوں  
میں تو اس ضمن میں کوئی وضاحت نہیں ہوئی۔ تو کثوری نسخے کے حاشیے میں اس کے معنی کی یہ عبارت قابل غور ہے۔  
”این غزل در ہر دو نسخہ نقلی کہ برای مقابلہ پیش نظر بودند، یافتہ نشد۔“ یعنی یہ غزل اٹھائی ہے۔ لیکن معلوم  
نہیں کہ اس کے بعد بھی کہ اس دیوان کو مطبع تو کثوری کے کارپروازوں نے ایک اہل زبان رشتی شاعر کا دیوان قرار  
دیا ہے، پھر اس میں اسی غزل کی شمولیت کس جواز کی بنا پر ضروری سمجھی گئی، ناقلانہ نقطہ نظر سے دیکھتے تو اس غزل  
کا اسلوب، زبان، لہجہ اور دیگر قرائن اس مجموعے کی دوسری غزلیات سے بالکل مختلف ہیں۔ یہ غزل اس مجموعے  
میں کیسے شامل ہوئی اور کس نے کی؟ اس کے متعلق جب تک کافی وادانی معلومات میہا نہ ہوں، کچھ نہیں کہا جاسکتا۔  
میر حال اس دیوان میں اگر زیب النساء کی کوئی چیز موجود ہے تو وہ یہی غزل ہے۔ وہ بھی اس وجہ سے کہ اس میں اس  
کا نام آگیا۔

اس موقع پر سوال اٹھایا جاسکتا ہے کہ جب یہ بات تسلیم شدہ ہے کہ زیب النساء شاعر تھی تو اس کا کلام کیا ہوا؟

گذشتہ سطور میں آپ علامہ شبلی کی رائے ملاحظہ کر چکے ہیں۔ یہاں ان کا تفصیلی بیان دیکھئے۔

” اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ وہ شاعرہ تھی، لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اس کا کلام خالصاً ہو گیا اسی تذکرے (مخزن الغرائب) میں ملا سعید اشرف کے حال میں لکھا ہے کہ زینب النساء کی بیاض خاص ایک خواص کے ہاتھ سے جس کا نام امداد تھم تھا، حوض میں گر پڑی۔ چنانچہ سعید اشرف نے اس پر ایک قطعہ لکھا۔ غالباً یہ اشعار کی بیاض ہوگی۔“ (۴۲)

علامہ کا خیال ہے کہ زینب النساء کا سارا کلام شاید اسی بیاض میں جمع تھا۔ ملا سعید اشرف کے معذرت نامے کا ایک حصہ ملاحظہ ہو۔

ای ادا فہمی کہ پیشیت فاضلانِ مصر را	شستنِ مجمرۂ اندیشہ باب افتادہ است
در خم انلاطون زیاد داشت سرخوش بود	بچو مخموری کہ در ذکر شراب افتادہ است
ذہن صاف تا علم گردید در دانشوری	طبع انلاطون زلس در اضطراب افتادہ است
دفتر فرہنگ در طبعش مجرا گشتہ است	از کفش مجمرۂ دانش در آب افتادہ است
آن بیاض خاصہ شاہی کہ در اطراف آن	جای افشان نقطہ ہای انتخاب افتادہ است
آن مرصع خوان گہر ریزی کہ باشد جلوہ گر	در الفاظش بی بی آب و تاب افتادہ است (۴۳)

خیر، کچھ بھی ہو جب تک اس سلسلے میں مزید حقائق سامنے نہیں آجاتے، ہمیں یہ ماننا ہی پڑے گا کہ زینب النساء کا کلام زمانے کی دستبرد سے محفوظ نہیں رہ سکا۔ تذکروں میں جس قدر اشعار نقل ہوئے ہیں ان کے بارے میں احمد علی سندیلوی کی رائے آپ کی نظر سے گزر چکی ہے۔ اگر اس نوع کے انتخاب میں زینب النساء کا کچھ کلام ہے جسے تو وہ دوسروں کے اشعار کے ساتھ اس قدر خلط ملط ہو گیا ہے کہ اسے الگ کرنا امر محال نظر آتا ہے۔ اسے بھی ہماری تاریخ ادب کا ایک المیہ سمجھئے کہ جس کی سرپرستی میں بڑے بڑے علماء و شعراء نے اپنے تعنیفی و تخلیقی جوہروں کو چمکتے دیکھا خود اس کا کلام ناپید ہے۔ احمد علی سندیلوی نے مخزن الغرائب میں زینب النساء کے مجمرۂ مکاتیب زینب المنشآت کا ذکر کیا ہے۔ مگر یہ کتاب بھی اس تذکرے کے مولف کے سوا کسی نے نہیں دیکھی۔

## حوالہ جات

- ۱۔ ہمایوں نے شعر گوئی کی طرف ہر حال میں توجہ کی۔ اس کے دیوان کا ذکر ابو الفضل نے ان الفاظ میں کیا ہے۔  
”و تو بہ عالی بر شعور شعرا نیز داشتند۔ آں سخا کہ طبع موزون از خصائص نطرت سلیم است، در ضلال اوقات و اوقات قدسی راجح از حقیقت و چہ از عجاز و در یک نظم می کشیدند و دیوان شعر حضرت در کتابخانہ عالی موجود است۔“  
(اگر نامہ۔ ابو الفضل)
- ۲۔ آثار عالمگیری (اردو ترجمہ) محمد ساقی مستعد خان
- ۳۔ مقالات شبلی ۲
- ۴۔ ساقی مستعد خان۔ آثار عالمگیری (اردو ترجمہ) ص ۴۷۹ و مقالات شبلی
- ۵۔ ساقی مستعد خان۔ آثار عالمگیری (اردو ترجمہ) ص ۴۷۹
- ۶۔ مقالات شبلی ۲ جلد پنجم
- ۷۔ بحوالہ ”نزان سخنور“ مولفہ علی اکبر و شیر سلیمی
- ۸۔ تذکرہ بہارستان ناز ص ۱۹۹ طبع مجلس ترقی ادب لاہور
- ۹۔ سید سلیمان ندوی۔ تاج محل اور لال قلعہ کے معمار” شمول کتاب تاج مرتبہ محمود ننگواری ص ۱۳۰، مطبوعہ لاہور۔
- ۱۰۔ Jessie Duncan West Brook; “Diwan of Zeh-un-Nisa” Introduction  
pp. 3,4 published by Orientia, Lahore, 1954.
- ۱۱۔ مبداء لسانی۔ ”زیب النساء و محضی“ مجلہ ”سخن تہران“ بابت دی و بہمن ۱۳۵۴ شمسی
- ۱۲۔ مقالات شبلی ۲
- ۱۳۔ ملاحظہ ہو ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان کا مقابلہ شہزادی زیب النساء کے نام چند غیر مطبوعہ خطوط۔ ”مطبوعہ و جرائد نقوش“  
لاہور سالنامہ بابت مئی، جون، جولائی ۱۹۶۶ء
- ۱۴۔ Jessie Duncan West Brook “Diwan of Zeh-un-Nisa” Introduction pp. ۳

۱۵۔ شاہجہان کے ایام امیری اور عہد اورنگ زیب۔ ڈاکٹر برنٹر۔ مترجمہ خلیفہ سید محمد حسین مطبوعہ نعیمی اکیڈمی کراچی

ص ۳۷، ۳۸

۱۶۔ شقہ جات عالمگیر ورق ۵۲ کتب خانہ آصفیہ نمبر ۱۳۵ انشاء۔ اس حوالے کے لئے میں محترم ڈاکٹر عبداللہ چغتائی

کا ممنون ہوں۔ ملاحظہ ہو واقعات عالمگیری مرتبہ ڈاکٹر عبداللہ چغتائی مقدمہ ص ۶ مطبوعہ لاہور ۱۹۳۶ء

۱۷۔ آثار الامراء، شاہنواز خان صفوی جلد دوم

۱۸۔ آثار عالمگیری۔ ساقی مستعد خان ص ۳۶۰ (اردو ترجمہ)

۱۹۔ ”زمان سخن“ مؤلفہ علی اکبر و منیر سلیمی جلد دوم۔ ذکر زیب النساء مخفی۔

۲۰۔ سدارنگانی زیب النساء مخفی۔ مطبوعہ مجلہ سخن ”تہران بابت دی وہیمن ۱۳۵۳ شمسی۔

۲۱۔ مجلہ ہلال ”کراچی بابت مارچ ۱۹۹۳ء مقالہ بعنوان ”پارہ لعلی کہ دارم“ از حسین کاظمی۔

۲۲۔ ”مزار الشعراء کی کثیر از منشی محمد دین فوق“ مشمولہ ”ادبی دنیا“ کثیر نمبر بابت مارچ و اپریل ۱۹۶۶ء نیز دیکھئے

ایران صغیر و کبیر مرتبہ محمود عبداللہ قریشی۔

۲۳۔ فوق مروجہ نے اس شعر سے متعلق ایک دلچسپ واقعہ بھی لکھا ہے۔ حکیم حمام کے فرزند حکیم حاذق صاحب دیوان

تھے۔ ایک مرتبہ شیدا (شیدا فتح پوری) ان کی ملاقات کر گئے۔ شعر و شاعری کا تذکرہ ہوتا رہا۔ حکیم نے اپنی غزل کا جب

یہ مطلع پڑھا۔

بلبل از گل گذرد گر در چین بیند مرا  
بت پرستی کے کند گھر بہن بیند مرا

”شیدا تو طرف الطبع تھے۔ مسکرا کر بولے۔ یہ شاید اس زمانہ کا ذکر ہے جب داڑھی نہ نکلی ہوگی۔ حکیم کو اس پر ندامت

آئینہ غصہ آیا۔ پاس ہی بانی کا موصی تھا اس میں شیدا کو خوب غوطے دوائے۔“

۲۴۔ ملاحظہ ہو عمل صالح از ملا محمد صالح کنوہ جلد سوم ص ۴۰۸ مطبوعہ مجلس ترقی ادب لاہور۔

۲۵۔ اس دیوان کے سلسلے میں مفصل بحث آگے آئے گی۔

۲۶۔ حکیم کاشمی کب ہندوستان آیا؟ کب ایران گیا؟ اور صبح کبے یہاں ملا؟ شاہجہان کے زمانے میں اس کی کیا قدر و منزلت تھی؟

اور اس کی موت کہاں واقع ہوئی؟ ان تمام حالات کے لئے شعرالہجہ حصہ سوم میں یکلم کا تذکرہ دیکھئے۔ بات صاف ہو جائے گی۔

۲۶۔ ساقی مستعد خان۔ آثار عالمگیری ص ۲۴۴ (اردو ترجمہ)۔

۲۸۔ مقالات شبلی جلد پنجم۔

29. Edwardes and Garette, "Mughal Rule in India pp. 232

۳۰۔ ساقی مستعد خان۔ آثار عالمگیری ص ۲۵۹ (اردو ترجمہ)۔

۳۱۔ ساقی مستعد خان۔ آثار عالمگیری ص ۴۲۳ (اردو ترجمہ)

۳۲۔ "مغل رول ان انڈیا کے معنی میں اس پر وہ انگریزوں کا اظہار کرتے ہیں۔

"ONE CANNOT HELP EXPRESSING A WORD OF REGRET THAT  
MODERN VANDALISM IN THE GUISE OF CONSTRUCTORS OF THE  
RAJPUTANA RAILWAY SHOULD HAVE DEMOLISHED THE TOME WHICH  
AURANGZEB ORDERED TO BE BUILT FOR HER REMAINS IN THE  
"GARDEN OF THIRTY THOUSAND TREES" OUTSIDE KABULI GATE  
OF DELHI. PP : 232

۳۳۔ مقالات شبلی جلد پنجم۔

۳۴۔ مقالات شبلی جلد پنجم۔

۳۵۔ مخزن الغرائب، کوالدیم تیسرے صباغ الدین عبدالرحمن ص ۴۶۰۔

۳۶۔ بزم تیسریہ۔ سید صباغ الدین عبدالرحمن ایم اے ص ۴۶۰ مطبوعہ دارالمصنفین عظیم گڑھ ۱۹۳۸ء۔

۳۷۔ شعر جی دیکھئے۔

مغنی و یمن بر دل تو بار فراق است  
ہر جا پدری ہست فراق پدری ہست

۳۸۔ دیوان مغنی مطبوعہ مطبع عیسیٰ لاہور۔

۳۹ - دیوان محضی - مطبوعہ ذکثور - باہتمام کینسر پراس سیٹھ

۴۰ - ایضاً

۴۱ - دیوان محضی مطبوعہ ذکثور

۴۲ - مقالات شبلی جلد پنجم

۴۳ - مخزن الغراب بحوالہ مقالات شبلی دہم تہذیب